اسلام کا اقتصادی نظام۔ مولانا آزاد کی نظر میں

(جناب رفیع اللہ صاحب عنایتی۔ لیکچرر شعبۂ سیاسیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ)

میرے سامنے ہندی مسلمانوں کی پوری تاریخ ہے۔ ان کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو میری نگاہوں سے پوشیدہ ہو۔ اس کی ابتدا، اسکی ترقی اور اس کا زوال سب ہی میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ اگر کوئی مجھ سے دریافت کرے کہ مسلمانوں نے ہندوستان کو کیا دیا تو بلا تامل کہدونگا کہ شاہ ولی اللہؒ اور ابوالکلام آزادؒ۔ یہ دو شخصیتیں ہیں جو ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ مولانا آزاد بیسویں صدی کے ہندوستان کے سب سے بڑے انسان تھے۔ اگر اس صدی میں ان کا کسی سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے تو وہ چیرمین ماؤ ہے۔ وہ ایک مجدد کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کا علم بے پایاں تھا۔ ان کی بصیرت اپنے عہد میں سب سے زیادہ تھی۔ وہ عام مسلمانوں کی طرح تقلید پرست نہیں تھے ان کی نگاہیں تاریخ کے ہر رخ کو دیکھ بھال چکی تھیں۔ وہ اپنے عہد کے سب سے بڑے نباض تھے۔ ان کے نتائج، ان کے فیصلے، ان کی رائیں اٹل اور قطعی تھیں۔ وہ آنے اور ہونے والی باتوں کو پہلے سے دیکھ لیتے تھے۔ وہ محض صحافی نہیں تھے۔ ان کی صحافت بھی زمانہ بھر سے نرالی تھی وہ ان کے بے پایاں علم کا مظہر تھی۔ سیاسی ہنگاموں میں مصروف رہنے کے باوجود وہ علمی کام کرتے رہے۔ اور جس پایہ کا کام کیا وہ انہی کا حصّہ تھا۔

میرے سامنے ان کی ساری تحریریں ہیں۔ ان کی اصلاحی روح کو سمجھنے میں بھی ایک وقت صرف کیا ہے۔ اس لئے کہ مولانا کو سمجھنا کوئی کھیل نہیں۔ ان کی فکر کا ساتھ دینا آسان نہیں۔ ان کی روش کو اختیار کرنا سہل نہیں۔ لیکن پھر بھی اپنی بساط بھر ان کے افکار کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ جب مولانا اسلام کے اقتصادی نظام سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کررہے تھے تو روس میں اشتراکیت کا نیا تجربہ ہو رہا تھا۔ ان کی نگاہیں اس کو دیکھ رہی تھیں۔

جب کہ اقبال جیسی شخصیت "سرمایہ" کو جھٹلانے میں مصروف تھی۔ مولانا نے روس میں اشتراکیت کے نئے تجربہ کو نظرِ استحسان سے دیکھا" اس میں شک نہیں کہ سوشلزم کو اس بات کا حق ہے کہ مزید تجربہ کا موقع دیا جائے"۔

علماء کا عام چلن ہے کہ وہ ہر نئے تجربہ کو جھٹلاتے ہیں۔ دنیا کی ہر ترقی کو برا سمجھتے ہیں۔ اور قدامت پرستی اور کورانہ تقلید کی ردا اوڑھے رہتے ہیں۔ دوسری طرف روشن خیال مذہب کی ہر بات کو فرسودہ سمجھ کر رد کر دیتے ہیں۔ دونوں ایک حد تک حقیقت سے دور ہو جاتے ہیں۔ کسی نظام کو اس نقطۂ نظر سے نہیں دیکھنا چاہیئے کہ اس کے ماننے والے کتنے ہیں۔ اور اس کا کوئی عملی نمونہ بھی ہے یا نہیں۔ بلکہ اس کو ایک نظام کی حیثیت سے پرکھنا چاہیئے۔ اس میں کتنی اچھائیاں ہیں کتنی برائیاں ہیں۔ وہ کس حد تک لوگوں کے لئے مفید ہے۔ ان سب باتوں کو نظر میں رکھتے ہوئے تاریخ کی روشنی میں اس کا جائزہ لینا چاہیئے۔ اور دوسرے ہم جنس نظاموں سے مقابلہ کر کے اس کی حیثیت متعین کرنی چاہیئے۔ تنگ نظری اور تعصب سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ اسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ ہے۔ اس میں خلفائے راشدہ کا زریں عہد ہے۔ ان سب باتوں کو نظر میں رکھنا لازمی ہے۔ پھر اپنے زمانہ کی ترقیات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ تب ہی اس کی صحیح حیثیت متعین ہو سکتی ہے۔ اسلام انسانوں کے لئے سماجی، سیاسی، اقتصادی اور فکری نظام اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس کا نظام انسانوں کی ساری زندگی پر حاوی ہے۔ ہم کو اس کو ایک دستورِ حیات کی حیثیت سے جانچنا اور پرکھنا ہے۔

آج دنیا میں اشتراکیت کے تجربے ہو رہے ہیں۔ اس کا اقتصادی نظام دنیا کے جمہوری ممالک اپنے مخصوص حالات کے تحت تسلیم کر چکے ہیں۔ ہم نے روس کا پرولیتاری نظام انقلاب دیکھا۔ چین کا جمہوری انقلاب بھی دیکھا۔ پھر دوسرے ممالک جنھوں نے قومی جد وجہد کے ذریعہ آزادی حاصل کی وہ بھی ہمارے سامنے ہیں۔ مثلاً ہمارا ہی دیس ہے جس میں اشتراکی طرز کے سماج کو اپنانے کی کوشش کی ہے۔ اور پلاننگ کا تجربہ بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے۔ اشتراکیت سماجی مساوات

اور غیر طبقاتی سماج کی علم بردار ہے۔ وہ طبقات کو بالکل ختم کر دینا چاہتی ہے۔ تو ہم کو اشتراکی نظام کو نظر میں رکھتے ہوئے اسلام کے اقتصادی نظام کو جانچنا اور پرکھنا ہے۔ مولانا کا مسئلہ دوسروں سے مختلف ہے۔ وہ بڑے روادار ہیں۔ اور بڑی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ بڑے فراخدل ہیں۔ اس لئے کہ ان کی نگاہیں تاریخ کے ہر رخ کو پڑھ چکی ہیں۔ انہوں نے قرآن کو جیسا سمجھا وہ اس عہد میں انہی کا حصہ تھا۔

اسلام کے اقتصادی نظام کو مولانا نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے جس میں اسکی پوری روح آگئی ہے: "دولت اور وسائل دولت کا احتکار روکدیا جائے اور ہر کمانے والے کو قانون سازی کے ذریعہ مجبور کیا جائے۔ کہ اپنی کمائی کا ایک حصہ کمزور افراد کے لئے نکالے۔ نیز اسٹیٹ کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے۔ کہ کوئی فرد ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ اصل بھی تسلیم کی جائے۔ کہ معیشت کے لحاظ سے تمام افراد و طبقات کی حالت یکساں نہیں ہو سکتی اور یہ عدم یکسانیت اکثر حالتوں میں قدرتی ہے۔ کیونکہ سب کی جسمانی و دماغی استعداد یکساں نہیں۔ اور جب استعداد یکساں نہیں تو ناگزیر ہے کہ جد و جہد معیشت کے ثمرات بھی یکساں نہ ہوں۔ بہ الفاظ دیگر انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کر لیا جائے کہ جو جس قدر حاصل کر سکتا ہے وہ اس کا ہے"۔

مولانا قرآن کی روح کو صحیح سمجھے ہیں۔ اسلام "اکتناز" کو روکتا ہے۔ وہ نسلی، خاندانی، جغرافیائی اور طبقاتی امتیازات مٹانا چاہتا ہے۔ اس کے نزدیک مساوات ساری سماجی زندگی کی اساس ہے۔ وہ دولت کے "احتکار و اکتناز" کی جگہ اس کی تقسیم پر زور دیتا ہے۔ وہ نچلے اور کمزور طبقات کو خوشحال دیکھنا چاہتا ہے۔

اسلام کی نگاہ میں مدارجِ معیشت کا اختلاف قدرتی ہے۔ اس کو باقی رہنا چاہیئے۔ انفرادی معیشت کے نظام کے ساتھ ساتھ اجتماعی معیشت کا نظام بھی۔ انسانوں کو حق حاصل ہے کہ دولت پیدا کریں۔ ذاتی ملکیت کو ایک معینہ حدود کے اندر رہتے ہوئے فروغ دیں

لیکن وہ لوگوں کو "اسراف"، "تبذیر" اور "تقتیر" سے باز رکھتا ہے۔ وہ ان کو "حلال" اور "طیب" روزی پیدا کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ تو اسلام میں ذاتی ملکیت کی گنجائش ہے۔ اس کو وہ قدرتی تصور کرتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ دولت کی تقسیم نظامِ وراثت کے تحت عمل میں آتی ہے۔ ایک شخص کے مرنے کے بعد اس کی دولت اس کے وارثوں اور وارثوں کے وارثوں میں منقسم ہو جاتی ہے۔ پھر دوسری طرف بیت المال کا نظام ہے جس میں زکوٰۃ جو ایک قسم کا ٹیکس ہے ہر شخص پر فرض ہو جاتا ہے۔ ریاست کو سارے وسائل پر قابض ہونا چاہیے۔ اور انفرادی معیشت کا نظام اجتماعی نظام کے تابع ہونا چاہیے۔ تو اس طرح اسلام مدارجِ معیشت کے اختلاف کو تسلیم کرتا ہے۔ لکھتے ہیں: "اس پر اس کے نفس کا حق ہے، اس کے والدین کا حق ہے۔ رشتہ داروں کا حق ہے، بیوی بچوں کا حق ہے، ہمسایہ کا حق ہے اور پھر عام نوعِ انسانی کا حق ہے۔ اس کا فرض ہے کہ اپنی استطاعت اور مقدور کے مطابق یہ تمام فرائض ادا کرے اور انہیں فرائض کی ادائیگی پر اس کی زندگی کی ساری دنیوی اور اخروی سعادتیں موقوف ہیں۔ ایک دوسرے مقام پر اسلام کے اقتصادی نظام کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس نے سوسائٹی کی نوعیت کا جو نقشہ بنایا ہے۔ اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے اور صرف چند خانے ہی نہیں بلکہ تمام خانے اپنی اپنی جگہ بن جائیں تو ایک ایسا اجتماعی نظام پیدا ہو جائے گا جس میں نہ تو بڑے بڑے کروڑپتی ہوں گے، نہ مفلس و محتاج طبقے۔ ایک طرح کی درمیانی حالت غالب افراد پر طاری ہو جائے گی۔ بلاشبہ زیادہ سے زیادہ کمانے والے افراد موجود ہوں گے کیونکہ سعی و کسب کے بغیر کوئی مومن زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا اتنا ہی زیادہ انفاق پر مجبور ہوگا اور اس لئے افراد کی کمائی جتنی بڑھتی جائیگی اتنی زیادہ جماعت بہ حیثیت جماعت کے خوشحال ہوتی جائیگی۔ قابل اور مستعد افراد زیادہ سے زیادہ کمائیں گے لیکن صرف اپنے لئے نہیں کمائیں گے عام افراد و قوم کیلئے کمائیں گے۔ یہ صورت پیدا نہ ہو سکے گی کہ ایک طبقہ کی کمائی دوسرے طبقوں کے لئے محتاجی و مفلسی کا پیام ہو جائے جیسا کہ اب عام طور پر ہوتا ہے"

دوسری طرف اشتراکیت کا نظام ہے۔ مولانا ایک مقام پر اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں "صرف دولت کا اکٹھا رہی نہ روکا جائے بلکہ دولت کی انفرادی ملکیت بھی ختم کر دی جائے اور ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں اوجیاری قوانین کے ذریعہ اقتصادی اور معیشی مساوات کی حالت پیدا کر دی جائے۔ مثلاً وسائلِ دولت تمام تر قومی ملکیت ہو جائیں انفرادی قبضہ باقی نہ رہے۔ اور جسمانی و دماغی اختلاف سے معیشت کا مختلف ہونا بنائے حق تسلیم نہ کیا جائے۔"

اشتراکیت کا بھی مقصد یہ ہے کہ اکثریت کی شقاوت دور کی جائے۔ اور دولت کا اکتناز روکا جائے۔ اختلافِ معیشت کا خاتمہ کیا جائے۔ طبقاتی امتیازات مٹا دیئے جائیں۔ وہ چاہتا ہے کہ انفرادی ملکیت کی جگہ قومی ملکیت کا نظام قائم کرے اور مدارجِ معیشت کا اونچ نیچ معدوم ہو جائے۔

ہمارے سامنے روس اور چین کی مثال ہے سب سے پہلے اشتراکی نظام کو روس میں عملی جامہ پہنایا گیا۔ اور طبقاتی امتیازات کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔ دوسرا تجربہ چین میں ہوا۔ وہاں نئی جمہوریت قائم ہوئی۔ ان ساری انقلابی طاقتوں کے اشتراک سے سرمایہ داری اور زمینداری کا خاتمہ کیا گیا۔ لیکن قومی بورژواری جس نے انقلاب میں حصہ لیا تھا حکومت میں شامل کر لیا گیا۔ دوسری طرف ہم چین کے اقتصادی نظام کو دیکھتے ہیں۔ ملکی مالیات چار حصوں میں منقسم ہوئی۔ قومی، تعاونی، انفرادی اور سرمایہ دارانہ۔ اور کوشش اس امر میں صرف ہوئی کہ عوامی یا قومی ملکیت کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینا چاہیئے لیکن انفرادی ملکیت کو بھی پنپنے کا موقع دیا جائے۔ پھر سرمایہ داری کے ایک حصّہ کو بھی باقی رکھا گیا اس سے معلوم ہوا کہ چین کے نئے تجربے سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ "مدارجِ معیشت" ایک حد تک فطری ہیں۔ اگرچہ کوشش یہی ہے کہ غیر طبقاتی سماج ہو اور مکمل طور پر مساوات قائم ہو جائے لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کمیونسٹ پارٹی کی رپورٹ کے پڑھنے سے پتہ

چلتا ہے کہ تضادات" کا باقی رہنا ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر سماج ترقی نہیں کرسکتا۔ یہی اس
رپورٹ کی روح بھی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ جذبۂ نفرت کو ختم کرنا چاہیئے یہ غیر فطری
ہے۔ تضادات غیر فطری نہیں ہیں بلکہ قدرتی ہیں۔ تو اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اسلام جہاں مدارج
معیشت کے اختلاف کو باقی رکھنا ضروری تصور کرتا ہے اشتراکیت بھی اس کو ایک حد تک
اور عبوری دور میں باقی رکھنا چاہتی ہے۔ اور "مطلق مساوات" اس کے نزدیک بھی کوئی
معنی نہیں رکھتی۔ لیکن صرف یہ سمجھنا کہ اشتراکی نظام کی اساس دہریت اور لادینی تصورات
پر ہے اس لئے اس تجربہ کی طرف سے نگاہیں بند کرلینی چاہئیں۔ غلط ہے۔ اگر زندگی کے
کسی بھی حصہ میں انسانی کوئی کام کر رہے ہوں تو ہم کو اس کو دیکھنا چاہیئے۔ مولانا کا معاملہ
اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ اچھی بات کو سراہتے ہیں۔ اور انسانوں کی کوشش اور ان کی
نئی نئی دریافتوں کو نگاہِ استحسان سے دیکھتے ہیں۔ اور ایک عملی انسان کی طرح اور اس "دنیا"
کے انسان کی طرح چیزوں کو دیکھتے اور پرکھتے ہیں

اسلامی نظام کا کوئی نمونہ ہمارے سامنے موجود نہیں لیکن مولانا نے اس مسئلہ کو بڑی
خوش اسلوبی سے حل کیا ہے "اگر اسلامی ریاست نہیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمان
اس کے نظام کو ترک کردیں، ان کو چاہیئے کہ وہ انجمن بنائیں، جماعتوں کی تنظیم کریں بیت المال
قائم کریں۔ زکوٰۃ دیں۔ تاکہ بیت المال میں روپیہ جمع ہوسکے وقف کا نظام قائم کریں۔ اسلام ایک ایسے معاشرے
کی تنظیم چاہتا ہے ایک ایسے سماج کو قائم کرنا چاہتا ہے کہ جس میں لوگ دنیاوی اور اخروی فلاح وسعادت حاصل کرسکیں۔
لیکن مسلمانوں نے اسلام کی تعلیمات کو یکسر بھلا دیا ہے۔ ان کو ترک کردیا ہے تب ہی
گمراہ ہیں۔ تب ہی وہ دوسرے نظاموں کی چمک دمک سے جلد متاثر ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ
ان کے پاس قرآنِ مبین ہے۔ جو ایک ایسا دستور العمل ہے جس میں انسانی فلاح و بہبود
کا سارا سامان مہیا ہے۔ ان کو اس کے تحت ایک معاشرہ کی تشکیل دینی چاہیئے تاکہ
دنیا اس کے تجربہ پر آمادہ ہو۔ مارکس کا خیال تھا کہ اشتراکی انقلاب پہلے جرمنی اور انگلستان

ں آئے گا۔ لیکن اس کی پیشین گوئی غلط ثابت ہوئی۔ اور روس میں انقلاب آیا۔ اور سب سے پہلا تجربہ بھی وہیں ہوا۔

قرآن مادّی ترقی اور خوشحالی کے ساتھ ایک روحانی نظام بھی رکھتا ہے۔ مادّہ ہی سب کچھ نہیں ہے۔ مادّہ میں انرجی ہے۔ اس میں متحرک روح ہے۔ خدا ساری کائنات کا خالق اور اس کا رب ہے۔ وہ ساری چیزوں کو پروان چڑھاتا ہے۔ ان کی پرورش کا سامان مہیا کرتا ہے۔ وہ ایک حقیر سے جاندار کو بھی اسی طرح پالتا ہے جیسے کہ ایک بڑی مخلوق کو۔ وہ رحیم و عادل ہے۔ وہ اللہ ہے۔ ساری مادّی ترقیات روحانی نظام کے تابع ہیں۔ اس کے بغیر ساری ترقی مضرت رساں ہے۔ تباہ کاری کا پیش خیمہ ہے۔ انسانی گمراہی کا سبب ہے۔ تو اسلام ایک مکمل روحانی نظام رکھتا ہے۔ انسان دنیا میں چاہے کتنی ہی ترقی کر جائے۔ وہ آسمان کے تارے توڑ لائے۔ وہ ہواؤں، سمندروں اور پہاڑوں کا حکمراں ہو جائے۔ وہ کائنات کے سارے چھپے ڈھکے خزانوں کو دریافت کر لے لیکن اگر روحانیت سے بے بہرہ ہے۔ خدا کا منکر ہے۔ تو وہ انسانی ہلاکت کا پیش خیمہ ثابت ہوں گی۔ جیسا کہ تجربہ نے ہم کو بتایا ہے سائنس کے ذریعہ انسان چاہے کتنی ہی ترقی کر جائے لیکن اس کی یہ ترقی بے سود ثابت ہوگی۔ تو اقتصادی نظام روحانی نظام ہی کا ایک حصّہ ہے۔ وہ اس سے علٰحدہ کوئی چیز نہیں۔ اگر انسانوں کو خدا کا خوف، آخرت کا ڈر اور روحانی دنیا کے سمجھنے کا شعور نہیں ہوگا تو وہ باہم جنگ و جدل کریں گے۔ تباہ کاریاں کریں گے۔ اور خدا کی سرزمین کو اپنی گمراہیوں اور تباہ کاریوں سے بھر دیں گے۔ ایک دوسرے کو قتل و غارت کریں گے۔ تو اسلام جو سارے روحانی نظاموں کا خلاصہ ہے۔ ساری سچائیوں کی آخری صورت ہے جو روزِ ازل سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک خدا نے انسانوں پر نازل کیں۔ پس ضرور ہے کہ اس کے روحانی نظام کو تسلیم کیا جائے۔ اور دنیا کی موجودہ ترقیات کو تسلیم کرتے ہوئے اس کو عمل جامہ پہنانا چاہیئے۔ موجودہ جمہوری اور اشتراکی تحریکیں نتیجہ ہیں صدیوں کی انسانی کاوشوں کا۔

آج اسلامی نظام کا کوئی عملی نمونہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔ لیکن مولانا نے اس مسئلہ کو بڑی خوش اسلوبی سے حل کیا ہے۔ اگر اسلامی ریاست نہیں تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مسلمان اس کے نظام کو ترک کر دیں۔ ان کو چاہئیے کہ وہ انجمن بنائیں، جماعتوں کو تنظیم دیں بیت المال قائم کریں۔ اور زکوٰۃ دیں۔ تاکہ بیت المال میں روپیہ جمع ہو سکے۔ وقف کا نظام قائم کریں۔ اور مرکزی حیثیت سے بیت المال کا نظام قائم کریں۔ اسلام ایک معاشرہ کی تنظیم چاہتا ہے۔ ایک ایسی سوسائٹی کے قائم کرنے کی دعوت دیتا ہے کہ اس میں رہ کر لوگ دنیادی اور اخروی فلاح وسعادت حاصل کریں۔ لیکن مسلمانوں نے اسلام کی تعلیمات کو یکسر بھلا دیا ہے۔ اس کو ترک کر دیا۔ تب ہی گمراہ ہیں۔ تب ہی وہ دوسرے نظاموں کی چمک دمک سے جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس قرآنِ مبین ہے۔ ایک ایسا دستور العمل ہے جس میں انسانی فلاح وبہبود کے سارے سامان ہیں۔ ان کو اس کے تحت ایک معاشرہ کی تشکیل کرنی چاہیئے۔ تاکہ دنیا اس کا تجربہ بھی کرے۔ کمیونزم کا تجربہ روس میں ہوا۔ پھر چین میں ہوا۔ حالانکہ مارکس کا یقین تھا کہ اس کا تجربہ جرمنی یا انگلستان وغیرہ میں ہونا چاہیئے۔ تو اس نظام کو عملی جامہ پہنانے کی بھی ضرورت ہے۔

قرآن مادی خوشحالی اور ترقی کے ساتھ ہی ساتھ ایک روحانی نظام بھی رکھتا ہے۔ مادہ ہی سب کچھ نہیں ہے۔ مادہ میں انرجی ہے۔ اس میں متحرک روح ہے۔ اس کائنات کے ساتھ ہی ساتھ روحانی نظام بھی۔ خدا اس ساری کائنات کا رب ہے۔ وہ ایک ادنی اور حقیر جاندار سے لے کر کائنات کی بڑی سی بڑی چیز کو پالتا اور پروان چڑھاتا ہے، وہ رحیم وعادل ہے۔ وہ ساری کائنات کا الٰہ ہے۔ ساری مادی ترقیات روحانی نظام کے بغیر بے فائدہ اور مضرت رساں ہے۔ تباہ کاری کا پیش خیمہ ہیں۔ انسانی گمراہی کا سبب ہیں۔ تو اسلام ایک مکمل روحانی نظام رکھتا ہے۔ یہی سارے نظاموں کی روح رواں ہے۔ انسان دنیا میں چاہے کتنی ہی ترقی کر جائے۔ وہ آسمان کے تارے توڑ لے۔ وہ ہواؤں، سمندروں، اور

پہاڑیوں کا حکمراں ہو جائے۔ وہ کائنات کے چھپے ڈھکے خزانوں کو دریافت کرے لیکن اگر روحانیت سے بے بہرہ ہے۔ خدا کا منکر ہے۔ تو وہ انسانی ہلاکت کا پیش خیمہ ہی ثابت ہوں گی۔ جیسا کہ تجربہ ہے۔ سائنس کے ذریعہ چاہے انسان کتنا ہی ترقی کر جائے لیکن اس کی یہ ترقی بے سود ہوگی۔ تو روحانی نظام کو بہرحال تسلیم ہی کرنا پڑے گا۔ اقتصادی نظام روحانی نظام ہی کا ایک حصہ ہے۔ وہ اس سے کوئی علیحدہ چیز نہیں۔ وہ اسی کا تابع ہے۔ اگر انسانوں کو خدا کا خوف، آخرت کا ڈر اور روحانی دنیا کے سمجھنے کا شعور نہ ہوگا تو وہ باہم جنگ و جدل کریں گے درندوں کی مانند ایک دوسرے سے جنگ و پیکار کریں گے۔ تباہ کاریاں کریں گے۔ اور خدا کی سرزمین کو اپنی گمراہیوں، تباہ کاریوں، ظلم و تعدی سے بھر دیں گے۔ ایک دوسرے کو قتل و غارت کریں گے۔ تو اسلامی نظام جو سارے روحانی نظاموں کا خلاصہ ہے ساری سچائیوں کی آخری صورت ہے جو روز ازل سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک دنیا میں انسانوں کی ہدایت کیلئے خدا نے بھیجی ہیں پس ضرور ہے کہ اس کے روحانی نظام کو بھی تسلیم کیا جائے۔ اور دنیا کی موجودہ ترقیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو عملی جامہ پہنانا چاہیئے۔ موجودہ جمہوری اور اشتراکی تحریکیں نتیجہ ہیں صدیوں کی انسانی کاوشوں کا۔ یہ تاریخ کا ایک قدرتی نتیجہ ہے، اس کو کسی صورت میں بھی جھٹلانا نہیں چاہیئے۔ مساوات کی روشنی، انسانی حقوق کی تڑپ، اور انسانی خوشحالی کی رو صدیوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ یہ ایک سچائی ہے۔ اسلام بھی ایک سچائی ہے۔ اور ایک دستور العمل کی صورت میں سچائی ہے۔ قرآن خود اس بات کو بیان کرتا ہے کہ ہم نے ہر جگہ اور ہر زمانے میں سچائی کو بھیجا ہے۔ تو یہ انھیں سچائیوں کی ایک لہر ہے۔ پس مذہب کو بھی اسی روشنی میں پرکھنا چاہیئے۔ تاریخ کی روشنی میں نہیں دیکھنا چاہیئے۔ ورنہ ہم گمراہ ہو جائیں۔ آج سانپ اور بچھو ایک ساتھ ایک بل میں رہ سکتے ہیں لیکن مسلمان و دنیا پرست ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ اس کی ایک ہی وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنے عہد کی روح کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ وہ اپنے زمانہ کو

ٹھیک طور پر نہیں سمجھ سکتے۔ وہ بے بصر ہیں۔ وہ حالات کے تقاضوں سے بے خبر ہیں۔

یہ تاریخ کا ایک قدرتی نتیجہ ہے۔ اس کو کسی صورت میں بھی جھٹلانا نہیں چاہیئے۔ مساوات کی خواہش، انسانی حقوق کی آرزو نتیجہ ہے صدیوں کی جدوجہد کا۔ یہ ایک سچائی ہے۔ اسلام بھی ایک سچائی ہے۔ اور ایک دستور العمل کی صورت میں سچائی ہے۔ قرآن خود اس کا اقرار کرتا ہے کہ ہم نے ہر جگہ اور ہر زمانہ میں انسانوں کی سچائیاں اپنے مخصوص افراد کے ہاتھوں دنیا میں بھیجی ہیں۔ تو یہ انھیں سچائیوں کا ایک سلسلہ ہے۔ پس مذہب کو اسی روشنی میں پرکھنا چاہیئے۔ تاریخ کی روشنی میں دیکھنا چاہیئے۔ ورنہ ہم گمراہ ہو جائیں گے۔ آج سانپ اور بچھو ایک ساتھ ایک بل میں رہ سکتے ہیں لیکن علماء اور دنیا پرست ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ وہ عہد کی روح کو سمجھنے کی بصیرت نہیں رکھتے۔ وہ کوتاہ بیں ہیں۔ مولانا نے بھی ان ساری باتوں کو جا بجا تسلیم کیا ہے۔ لیکن وہ روشن دماغ تھے۔ اور بقول پنڈت جواہر لال نہرو "ہم ان کی دماغ کی روشنی کے عادی ہو گئے تھے"۔ تو وہ ایک ایسا دماغ تھے جس کو قومیں صدیوں میں پیدا کرتی ہیں۔ اور ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کو جیسا انھوں نے سمجھا اور اس کی ترویج کی وہ انہی کا حصّہ تھا۔ وہ اپنے اس قول میں صادق تھے: میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ اسلام کی تیرہ سو برس کی شاندار روایتیں میرے ورثے میں آئی ہیں۔ میں تیار نہیں کہ اس کا چھوٹے سے چھوٹا حصّہ بھی ضائع ہونے دوں۔ اسلام کی تہذیب میری دولت کا سرمایہ ہے۔ اور میرا فرض ہے کہ اسکی حفاظت کروں بحیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہبی اور کلچرل دائرہ میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں اور میں برداشت نہیں کر سکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے لیکن ان تمام احساسات کے ساتھ میں ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے پیدا کیا ہے۔ اسلام کی روح مجھے اس سے نہیں روکتی وہ اس راہ میں میری رہنمائی کرتی ہے" تو مولانا نے اس طرح قرآنی تعلیمات کو سمجھا۔ اور زمانہ کے سامنے اس کو پیش کیا۔ جیسا کہ اس صدی میں پیش کیا جا سکتا تھا۔"